تقریر : مولانا محمد تقی عثمانی
ضبط و ترتیب : مولانا منظور احمد الحسینی

انسانی حقوق اور سیرت نبویؐ

۳۱ اگست ۹۳ء کو اسلامک سنٹر سیلون روڈ اپٹن پارک لندن میں ورلڈ اسلامک فورم کے زیر اہتمام سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر جلسہ عام منعقد ہوا، جس کی صدارت مولانا مفتی عبد الباقی نے کی اور مولانا زاہد الراشدی، مولانا منظور الحسینی، مولانا محمد عیسیٰ منصوری اور مولانا عبد الرشید رحمانی کے علاوہ جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی نے "سیرت النبی اور انسانی حقوق" کے عنوان پر مندرجہ ذیل مفصل خطاب کیا۔

حضرات علمائے کرام، جناب صدر محفل اور معزز حاضرین!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

ہمارے لئے یہ بڑی سعادت اور مسرت کا موقع ہے کہ آج اس محفل میں، جو نبی کریم سرور دو عالمؐ کے مبارک ذکر کیلئے منعقد ہے، ہمیں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل انسان کی اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس کے برابر اور کوئی سعادت نہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے: ع

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

اور حبیب کا تذکرہ بھی حبیب کے وصال کے قائم مقام ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس ذکر کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔ تو جس مجلس کا انعقاد اس مبارک تذکرہ کیلئے ہو اس میں شرکت، خواہ

ایک مقرر اور بیان کرنے والے کی حیثیت میں ہو یا سامع کی حیثیت میں' ایک بڑی سعادت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی برکات ہمیں اور آپ کو عطا فرمائے۔

تذکرہ ہے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا اور سیرت طیبہ ایک ایسا موضوع ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے صرف ایک پہلو کو بھی بیان کرنا چاہے تو پوری رات بھی اس کیلئے کافی نہیں ہو سکتی' اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود میں اللہ جل جلالہ نے تمام بشری کمالات' جتنے متصور ہو سکتے تھے' وہ سارے کے سارے جمع فرمائے۔ یہ جو کسی نے کہا تھا کہ۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تو یہ کوئی مبالغے کی بات نہیں تھی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس انسانیت کیلئے اللہ جل جلالہ کی تخلیق کا ایک ایسا شاہکار بن کر تشریف لائے تھے کہ جس پر کسی بھی حیثیت سے' کسی بھی نقطہ نظر سے غور کیجئے تو وہ کمال ہی کمال کا پیکر ہے۔ اس لئے آپ کی سیرت طیبہ کے کس پہلو کو آدمی بیان کرے' کس کو چھیڑے' انسان کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجا است

اور غالب مرحوم نے کہا تھا۔

کہ غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

انسان کے تو بس ہی میں نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا حق ادا کر سکے۔ ہمارے یہ ناپاک منہ' یہ گندی زبانیں اس لائق نہیں تھیں کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے کی بھی اجازت دی جاسکتی' لیکن یہ اللہ جل جلالہ کا کرم ہے کہ اس نے نہ صرف اجازت دی بلکہ اس سے راہنمائی اور استفادے کا بھی موقع عطا فرمایا۔ اس واسطے موضوعات تو سیرت کے بے شمار ہیں' لیکن میرے مخدوم اور محترم حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب' اللہ تعالیٰ ان کے فیوض کو جاری و ساری فرمائے' انہوں نے حکم دیا کہ سیرت طیبہ کے اس پہلو پر گفتگو کی جائے کہ نبی کریم سرور دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم انسانی حقوق کیلئے کیا راہنمائی اور ہدایت لے کر تشریف لائے اور جیسا کہ انہوں نے ابھی فرمایا' اس موضوع کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں پروپیگنڈہ کا بازار گرم ہے کہ اسلام کو عملی طور پر نافذ کرنے سے ہیومن رائٹس مجروح ہوں گے' انسانی حقوق مجروح ہوں گے اور یہ پبلسٹی کی جارہی ہے کہ گویا ہیومن رائٹس کا تصور پہلی بار مغرب کے ایوانوں سے بلند ہوا اور سب سے پہلے انسان کو حقوق دینے والے یہ اہل مغرب ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات میں انسانی حقوق کا معاذ اللہ کوئی تصور موجود نہیں۔ تو یہ موضوع جب انہوں نے گفتگو کیلئے عطا فرمایا تو ان کے تعمیل حکم میں اسی موضوع پر آج اپنی گفتگو کو محصور کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن موضوع ذرا تھوڑا سا علمی نوعیت کا ہے اور ایسا موضوع ہے کہ اس میں ذرا زیادہ توجہ اور زیادہ حاضر دماغی کی ضرورت ہے' تو اس سلسلے میں آپ حضرات سے درخواست ہے کہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اور اس کی نزاکت کو مد نظر رکھتے ہوئے ذرا براہ کرم توجہ کیساتھ سماعت فرمائیں۔ شاید اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے دل میں اس سلسلے کے اندر کوئی صحیح بات ڈال دے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے' جس کا جواب دینا منظور ہے' کہ آیا اسلام میں انسانی حقوق کا کوئی جامع تصور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہے یا نہیں؟ یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ یہ اس دور کا عجیب و غریب رجحان ہے کہ انسانی حقوق کا ایک تصور پہلے اپنی عقل' اپنی فکر' اپنی سوچ کی روشنی میں خود متعین کر لیا کہ یہ انسانی حقوق ہیں' یہ ہیومن رائٹس ہیں اور ان کا تحفظ ضروری ہے اور اپنی طرف سے خود ساختہ جو سانچہ انسانی حقوق کا ذہن میں بنایا اس کو ایک معیار حق قرار دے کر ہر چیز کو اس معیار پر پرکھنے اور جانچنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پہلے سے خود متعین کر لیا کہ فلاں چیز انسانی حق ہے اور فلاں چیز انسانی حق نہیں ہے اور یہ متعین کرنے کے بعد اب دیکھا جاتا ہے کہ آیا اسلام یہ حق دیتا ہے کہ نہیں دیتا' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق دیا کہ نہیں دیا؟ اگر دیا تو گویا ہم کسی درجہ میں اس کو ماننے کیلئے تیار ہیں۔ اگر نہیں دیا تو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ لیکن ان مفکرین اور دانشوروں سے اور ان فکر و عقل کے سورماؤں سے میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ یہ آپ نے جو اپنے ذہن سے انسانی حقوق کے

تصورات مرتب کئے' یہ آخر کس بنیاد پر کئے؟ یہ کس اساس پر کئے؟ یہ جو آپ نے یہ تصور کیا کہ انسانی حقوق کا ایک پہلو یہ ہے' ہر انسان کو یہ حق ضرور ملنا چاہیے' یہ آخر کس بنیاد پر آپ نے کہا کہ ملنا چاہیے؟

انسانیت کی تاریخ پر نظر دوڑا کر دیکھئے تو ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک انسان کے ذہن میں انسانی حقوق کے تصورات بدلتے چلے آئے ہیں۔ کسی دور میں انسان کیلئے ایک حق لازمی سمجھا جاتا تھا' دوسرے دور میں اس حق کو بے کار قرار دے دیا گیا' تیسرے کسی ماحول کے اندر' ایک خطے میں ایک حق قرار دیا گیا دوسری جگہ اس حق کو ناحق قرار دے دیا گیا۔ تاریخ انسانیت پر نظر دوڑا کر دیکھیے تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ جس زمانے میں بھی انسانی فکر نے حقوق کے جو سانچے تیار کئے ان کا پروپیگنڈا' ان کی پبلسٹی اس زور و شور کے ساتھ کی گئی کہ اس کے خلاف بولنے کو جرم قرار دے دیا گیا۔

حضور نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت انسانی حقوق کا ایک تصور تھا اور وہ تصور ساری دنیا کے اندر پھیلا ہوا تھا اور اسی تصور کو معیار حق قرار دیا جاتا تھا' ضروری قرار دیا جاتا تھا کہ یہ حق لازمی ہے۔ مثلاً" میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ اس زمانے میں انسانی حقوق ہی کے حوالے سے یہ تصور تھا کہ جو شخص کسی کا غلام بن گیا تو غلام بننے کے بعد وہ صرف جان و مال اور جسم ہی اس کا مملوک نہیں ہوا بلکہ انسانی حقوق انسانی مفادات کے ہر تصور سے وہ عاری ہوگیا۔ آقا کا یہ بنیادی حق ہے کہ اپنے غلام کے گردن میں طوق ڈالے اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں پہنائی جائیں۔ یہ ایک تصور تھا۔ آپ کو اس کے اوپر پورا لٹریچر مل جائیگا اس زمانے کے اندر جنہوں نے اس کو جسٹی فائی (Justify) کرنے کیلئے اور اس کو مبنی بر انصاف قرار دینے کیلئے فلسفے پیش کئے تھے۔ یہ دور کی بات ہے' اسے جاہلیت کا زمانہ کہہ لیجئے کہ چودہ سو سال پہلے کی بات ہے' لیکن ابھی قریب سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات لے لیجئے' جب جرمنی اور اٹلی میں فاشزم نے اور نازی ازم نے سر اٹھایا۔ آج فاشزم اور نازی ازم کا نام گالی بن چکا اور دنیا بھر میں بدنام ہو چکا' لیکن آپ ان کے فلسفے کو اٹھا کر دیکھئے' جس بنیاد پر انہوں نے فاشزم کا تصور پیش کیا تھا اور نازی ازم کا تصور پیش کیا تھا' اس فلسفے کو خالص عقل کی بنیاد پر اگر آپ رد کرنا چاہیں تو آسان نہیں ہوگا۔ انہوں نے یہ تصور پیش کیا تھا کہ جو

طاقت ور ہے اس کا ہی یہ بنیادی حق ہے کہ وہ کمزور پر حکومت کرے اور یہ طاقتور کے بنیادی حقوق میں شمار ہوتا ہے اور کمزور کے ذمہ واجب ہے کہ وہ طاقت کے آگے سر جھکائے۔ یہ تصور ابھی سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات ہے۔ تو انسانی افکار کی تاریخ میں انسانی حقوق کے تصورات یکساں نہیں رہے' بدلتے رہے۔ کسی دور میں کسی ایک چیز کو حق قرار دیا گیا اور کسی دور میں کسی دوسری چیز کو حق قرار دیا گیا اور جس میں دور جس قسم کے حقوق کے سیٹ کو یہ کہا گیا کہ یہ انسانی حقوق کا حصہ ہے' اس کے خلاف بات کرنا زبان کھولنا ایک جرم قرار پایا۔ تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آج جن ہیومن رائٹس کے سیٹ کو کہا جا رہا ہے کہ ان ہیومن رائٹس کا تحفظ ضروری ہے' یہ کل کو تبدیل نہیں ہوں گے' کل کو ان کے درمیان انقلاب نہیں آئے گا اور کون سی بنیاد ہے جو اس بات کو درست قرار دے سکے؟

حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی حقوق کے بارے میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن (Contribution) یہ ہے کہ آپؐ نے انسانی حقوق کے تعین کی صحیح بنیاد فراہم فرمائی۔ وہ اساس فراہم فرمائی جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ ہیں اور کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ نہیں۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی اور آپ کی ہدایت کو اساس تسلیم نہ کیا جائے تو اس دنیا کے پاس' اس کائنات کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ کہہ سکے کہ فلاں انسانی حقوق لازماً" قابل تحفظ ہیں۔

میں آپ کو ایک لطیفے کی بات سناتا ہوں۔ آج سے تقریباً" ایک سال پہلے' یا کچھ مدت زیادہ ہو گئی' ایک دن میں مغرب کی نماز پڑھ کر گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو باہر سے کوئی صاحب ملنے کیلئے آئے۔ کارڈ بھیجا تو دیکھا کہ اس کارڈ پر لکھا ہوا تھا کہ یہ ساری دنیا میں ایک مشہور ادارہ ہے جس کا نام ایمنسٹی انٹرنیشنل ہے' جو سارے انسانی بنیادی حقوق کے تحفظ کا علمبردار ہے' اس ادارے کے ایک ڈائریکٹر پیرس سے پاکستان آئے تھے وہ ملنا چاہتے تھے۔ خیر میں نے بلا لیا' پہلے سے کوئی اپائنٹ منٹس نہیں تھی' کوئی پہلے سے وقت نہیں لیا تھا' اچانک آ گئے اور پاکستان کی وزارت خارجہ کے ایک ذمہ دار افسر بھی ان کے ساتھ تھے۔ آپ کو یہ معلوم ہے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل وہ ادارہ ہے جو انسانی حقوق کے تحفظ کیلئے

اور آزادی تقریر و تحریر کیلئے علمبردار کہا جاتا ہے اور پاکستان میں جو بعض شرعی قوانین نافذ ہوئے یا مثلاً" قادیانیوں کے سلسلے میں پابندیاں عائد کی گئیں تو ایمنسٹی انٹرنیشنل کی طرف سے اس پر اعتراضات و احتجاجات کا سلسلہ رہا۔ تو یہ صاحب تشریف لائے' انہوں نے آکر مجھ سے کہا کہ میں آپ سے اس لئے ملنا چاہتا ہوں کہ میرے ادارے نے مجھے اس بات پر مقرر کیا ہے کہ میں آزادی تحریر و تقریر اور انسانی حقوق کے سلسلے میں ساؤتھ ایسٹ ایشیا کے ممالک کی رائے عامہ کا سروے کروں' یعنی یہ معلوم کروں کہ جنوب مشرقی ایشیا کے مسلمان انسانی حقوق' آزادی تحریر و تقریر اور آزادی اظہار رائے کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں اور وہ کس حد تک اس معاملہ میں ہم سے تعاون کرنے پر آمادہ ہیں۔ اس کا سروے کرنے کیلئے میں پیرس سے آیا ہوں اور اس سلسلے میں آپ سے انٹرویو چاہتا ہوں۔ ساتھ ہی انہوں نے معذرت بھی کی کہ چونکہ میرے پاس وقت کم تھا اس لئے میں پہلے وقت نہیں لے سکا' لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے چند سوالات کا آپ جواب دیں تاکہ اس کی بنیاد پر اپنی رپورٹ مرتب کر سکوں۔

تو میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ آپ کب تشریف لائے؟ کہا کہ میں کل ہی پہنچا ہوں۔ میں نے کہا آئندہ کیا پروگرام ہے؟ فرمانے لگے کہ کل مجھے اسلام آباد جانا ہے۔ میں نے کہا اس کے بعد؟ کہا کہ اسلام آباد ایک یا دو دن ٹھہر کر پھر میں دہلی جاؤں گا۔ میں نے کہا وہاں کتنے دن قیام فرمائیں گے؟ کہا دو دن۔ میں نے کہا پھر اس کے بعد؟ کہا کہ اس کے بعد مجھے ملائیشیا جانا ہے۔ تو میں نے کہا کل آپ کراچی تشریف لائے اور آج شام کو اس وقت میرے پاس تشریف لائے' کل صبح آپ اسلام آباد چلے جائیں گے' آج کا دن آپ نے کراچی میں گزارا' تو آپ نے کیا کراچی کی رائے عامہ کا سروے کر لیا؟ تو اس سوال پر وہ بڑا سٹپٹائے۔ کہنے لگے اتنی دیر میں واقعی پورا سروے تو نہیں ہو سکتا تھا' لیکن اس مدت کے اندر میں نے کافی لوگوں سے ملاقات کی اور تھوڑا بہت اندازہ مجھے ہو گیا ہے۔ تو میں نے کہا آپ نے کتنے لوگوں سے ملاقات کی؟ کہا کہ پانچ افراد سے میں ملاقات کر چکا ہوں' چھٹے آپ ہیں۔ میں نے کہا چھ افراد سے ملاقات کرنے کے بعد آپ نے کراچی کا سروے مکمل کر لیا' اب اس کے بعد کل اسلام آباد تشریف لے جائیں گے اور وہاں ایک دن قیام فرمائیں گے' چھ آدمیوں سے وہاں پھر آپ کی ملاقات ہو گی' چھ آدمیوں

سے ملاقات کے بعد اسلام آباد کی رائے عامہ کا سروے ہو جائے گا' اس کے بعد دو دن دہلی تشریف لے جائیں گے' دو دن دہلی کے اندر کچھ لوگوں سے ملاقاتیں کریں گے تو وہاں کا سروے آپ کا ہو جائے گا۔ تو یہ بتایئے کہ یہ سروے کا کیا طریقہ ہے؟ تو وہ کہنے لگے آپ کی بات معقول ہے' واقعتاً" جتنا وقت مجھے دینا چاہیے تھا اتنا میں دے نہیں پا رہا' مگر میں کیا کروں کہ میرے پاس وقت کم تھا۔ تو میں نے کہا معاف فرمایئے' اگر وقت کم تھا تو کس ڈاکٹر نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ سروے کریں؟ اس لئے کہ اگر سروے کرنا ہے تو پھر ایسے آدمی کو کرنا چاہیے جس کے پاس وقت ہو' جو لوگوں کے پاس جا کر مل سکے' لوگوں سے بات کر سکے' اگر وقت کم تھا تو پھر سروے کی ذمہ داری لینے کی ضرورت کیا تھی؟ تو کہنے لگے کہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے' لیکن بس ہمیں اتنا ہی وقت دیا گیا تھا' اس لئے میں مجبور تھا۔ میں نے کہا معاف فرمایئے مجھے آپ کے اس سروے کی سنجیدگی پر شک ہے' میں اس سروے کو سنجیدہ نہیں سمجھتا' لہٰذا میں اس سروے کے اندر کوئی پارٹی بننے کیلئے تیار نہیں ہوں اور نہ آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کیلئے تیار ہوں' اس لئے کہ آپ پانچ چھ آدمیوں سے گفتگو کرنے کے بعد یہ رپورٹ دیں گے کہ وہاں پر رائے عامہ یہ ہے۔ اس رپورٹ کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ لہٰذا میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ وہ بڑا سٹپٹائے اور انہوں نے کہا کہ آپ کی بات ویسے ٹیکنیکلی صحیح ہے' لیکن یہ کہ میں چونکہ آپ کے پاس ایک بات پوچھنے کیلئے آیا ہوں تو میرے کچھ سوالوں کے جواب آپ ضرور دے دیں۔ میں نے کہا نہیں' میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا' جب تک مجھے اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ آپ کا سروے واقعتہً" علمی نوعیت کا ہے' سنجیدہ ہے اور علمی شرائط پوری کرتا ہے تو میں اس سروے کے اندر کوئی پارٹی بننے کیلئے تیار نہیں ہوں' آپ مجھے معاف فرمائیں' میرے مہمان ہیں' میں آپ کی خاطر تواضع جو کر سکتا ہوں وہ کروں گا' باقی کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔

میں نے کہا بتا دیجئے اگر میری بات میں کوئی غیر معقولیت ہے تو مجھے سمجھا دیجئے کہ میرا موقف غلط ہے اور فلاں بنیاد پر غلط ہے۔ کہنے لگے بات تو آپ کی معقول ہے' لیکن میں آپ سے ویسے برادرانہ طور پر چاہتا ہوں کہ آپ کچھ جواب دیں۔ میں نے کہا میں جواب نہیں دوں گا' البتہ آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔

کہنے لگے سوال تو میں کرنے کیلئے آیا تھا تو آپ کیا سوال کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا میں آپ سے اجازت طلب کر رہا ہوں' اگر آپ اجازت دیں گے تو سوال کر لوں گا اگر اجازت نہیں دیں گے تو میں بھی سوال نہیں کروں گا اور ہم دونوں کی ملاقات ہوگئی بات ختم ہوگئی۔ کہنے لگے نہیں آپ سوال کر لیجئے۔ تو میں نے کہا میں سوال آپ سے یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ آزادی اظہار رائے اور انسانی حقوق کا علم لے کر چلے ہیں تو میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ آزادی اظہار رائے جس کی آپ تبلیغ کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں اور جس علم کو لے کر چلے ہیں' یہ آزادی اظہار رائے Absolute یعنی مطلق ہے' اس پر کوئی قید کوئی پابندی کوئی شرط عائد نہیں ہوتی یا یہ کہ آزادی اظہار رائے پر کچھ قیود و شرائط بھی عائد ہونی چاہئیں؟ کہنے لگے میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟ تو میں نے کہا مطلب تو الفاظ سے واضح ہے۔ میں یہ آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ جس آزادی اظہار رائے کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں' تو کیا وہ ایسی ہے کہ جس شخص کی جو رائے ہو اس کا برملا اظہار کرے' اس کی برملا تبلیغ کرے' برملا اس کی طرف دعوت دے اور اس پر کوئی روک ٹوک کوئی پابندی عائد نہ ہو۔ یہ مقصود ہے؟ اگر یہ مقصود ہے تو فرمایئے کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ یہ دولت مند افراد انہوں نے بہت پیسے کما لیے اور غریب لوگ بھوکے مر رہے ہیں' لہٰذا ان دولت مندوں کے گھروں پر ڈاکہ ڈال کر اور ان کی دکانوں کو لوٹ کر غریبوں کو پیسہ پہنچانا چاہیے۔ اگر کوئی شخص دیانتدارانہ یہ رائے رکھتا ہو اور یہ رائے رکھ کر اس کی طرف تبلیغ کرے اور اس کا اظہار کرے' لوگوں کو دعوت دے کہ آپ آئیے اور میرے ساتھ شامل ہو جایئے اور یہ جتنے دولت مند لوگ ہیں' روزانہ ان پر ڈاکہ ڈالا کریں گے' ان کا مال لوٹا کریں گے اور مال لوٹ کر غریبوں میں تقسیم کیا کریں گے' تو آپ ایسی اظہار رائے کی آزادی کے حامی ہوں گے یا نہیں؟ اور اس کی اجازت دیں گے کہ نہیں؟ کہنے لگے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ لوگوں کا مال لوٹ کر دوسروں میں تقسیم کر دیا جائے۔ تو میں نے کہا یہی میرا مطلب تھا کہ اگر اس کی اجازت نہیں دی جائے گی تو اس کا معنی یہ ہے کہ آزادی اظہار رائے اتنی (Absolute)' اتنی مطلق نہیں ہے کہ اس پر کوئی قید کوئی شرط کوئی پابندی عائد نہ کی جا سکے' کچھ نہ کچھ قید شرط لگانی پڑے گی۔ کہنے لگے ہاں کچھ نہ کچھ تو لگانی پڑے گی۔ تو میں نے کہا مجھے یہ بتایئے

کہ وہ قید و شرط کس بنیاد پر لگائی جائے گی اور کون لگائے گا؟ کس بنیاد پر یہ طے کیا جائے کہ فلاں قسم کی رائے کا اظہار کرنا تو جائز ہے اور فلاں قسم کی رائے کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے؟ فلاں قسم کی تبلیغ جائز ہے اور فلاں قسم کی تبلیغ جائز نہیں ہے؟ اس کا تعین کون کرے گا اور کس بنیاد پر کرے گا' اس سلسلے میں آپ کے ادارے نے کوئی علمی سروے کیا ہو اور علمی تحقیق کی ہو تو میں اس کو جاننا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے کہ اس نقطہ نظر سے پہلے ہم نے غور نہیں کیا۔ تو میں نے عرض کیا کہ دیکھئے! آپ اتنے بڑے مشن کو لے کر چلے ہیں' پوری انسانیت کو آزادی اظہار رائے دلانے کے لئے' ان کو حقوق دلانے کے لئے' لیکن آپ نے بنیادی سوال نہیں سوچا کہ آخر آزادی اظہار رائے کس بنیاد پر طے ہونی چاہیے؟ کیا اصول ہوں کیا پیمانہ ہوں کیا شرائط ہوں اور کیا قیود ہوں۔ تو کہنے لگے اچھا آپ ہی بتا دیجئے۔ تو میں نے کہا میں تو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میں کسی سوال کا جواب دینے بیٹھا ہی نہیں۔ میں تو آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ آپ مجھے بتایئے کہ کیا قیود و شرائط ہونی چاہئیں اور کیا نہیں۔ میں نے تو آپ سے سوال کیا ہے کہ آپ کے نقطہ نظر سے' آپ کے ادارے کے نقطہ نظر سے کیا ہونا چاہیے؟

کہنے لگے میرے علم میں ابھی تک ایسا کوئی فارمولا نہیں ہے۔ ایک فارمولا ذہن میں آتا ہے کہ صاحب! ایسی آزادی اظہار رائے جس میں وائیلنس ہو' جس میں دوسرے کے ساتھ تشدد ہو تو وہ نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے کہا یہ تو آپ کے ذہن میں آیا کہ وائیلنس کی پابندی ہونی چاہیے' کسی اور کے ذہن میں کوئی اور بات بھی آسکتی ہے کہ فلاں چیز کی آزادی بھی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ کون طے کرے گا اور کس بنیاد پر طے کرے گا کہ کس قسم کی اظہار رائے کی کھلی چھٹی ہونی چاہیے' کس کی نہیں؟ اس کا کوئی فارمولا کچھ نہ کچھ معیار ہونا چاہیے۔ کہنے لگے آپ سے گفتگو کے بعد یہ اہم سوال میرے ذہن میں آیا ہے اور میں اپنے ذمہ داروں تک اس کو پہنچاؤں گا اور اس کے بعد اس پر اگر کوئی لٹریچر ملا تو آپ کو بھیجوں گا۔ تو میں نے کہا انشاء اللہ میں منتظر رہوں گا کہ اگر آپ اس کے اوپر کوئی لٹریچر بھیج سکیں اور اس کا کوئی فلسفہ بتا سکیں تو میں ایک طالب علم کی حیثیت میں اس کا مشتاق ہوں۔ جب وہ چلنے لگے' ان کو مجھ سے کوئی بات ملی نہیں تو اس وقت میں نے ان سے کہا کہ میں سنجیدگی سے آپ سے کہہ رہا ہوں' یہ بات مذاق کی نہیں ہے' سنجیدگی سے

چاہتا ہوں کہ اس مسئلے پر غور کیا جائے' اس کے بارے میں آپ اپنا نقطہ نظر بھیجیں' لیکن ایک بات میں آپ کو بتا دوں کہ جتنے آپ کے نظریات اور فلسفے ہیں' ان سب کو مد نظر رکھ لیجئے' کوئی ایسا متفقہ فارمولا آپ پیش کر نہیں سکیں گے' جس پر ساری دنیا متفق ہو جائے کہ فلاں بنیاد پر اظہار رائے کی آزادی ہونی چاہیے اور فلاں بنیاد پر نہیں ہونی چاہیے۔ تو یہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں اور اگر پیش کر سکیں تو میں منتظر ہوں۔ آج ڈیڑھ سال ہو گیا ہے کوئی جواب نہیں آیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مجمل نعرے' یہ اجمالی نعرے کہ صاحب! ہیومن رائٹس ہونے چاہئیں' آزادی اظہار رائے ہونی چاہیے' تحریر و تقریر کی آزادی ہونی چاہیے' یہ اجمالی نعرے ان کی ایسی کوئی بنیاد جس پر ساری دنیا متفق ہو سکے اور جس کے بارے میں معقولیت سے کہا جا سکے کہ یہ ہے وہ بنیاد جو اس کو طے کر سکے' یہ کسی کے پاس نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ کیوں؟ اس واسطے کہ جو کوئی بھی یہ بنیادیں طے کرے گا وہ اپنی سوچ اور اپنی عقل کی بنیاد پر کرے گا۔ اور کبھی دو انسانوں کی عقل یکساں نہیں ہوتی' دو زمانوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں' دو گروہوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں' لہٰذا ان کے درمیان اختلاف رہا ہے' رہے گا اور اس اختلاف کو ختم کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانی عقل اپنی ایک لمیٹیشن رکھتی ہے' اس کی حدود ہیں' اس سے آگے وہ تجاوز نہیں کر پاتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پوری انسانیت کیلئے سب سے بڑا احسان عظیم یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام معاملات کو طے کرنے کی وہ بنیاد فراہم کی ہے کہ کون سا حق قابل تحفظ ہے اور کونسا حق قابل تحفظ نہیں۔ اس کی واحد بنیاد یہ ہے کہ وہ ذات جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا' وہ ذات جس نے انسانوں کو پیدا کیا' اسی سے پوچھو کہ کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں اور کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ نہیں؟ وہی بتا سکتا ہے' اس کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا اور اس ذات کے ساتھ اس خالق کائنات کے ساتھ رشتہ جوڑا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور رشتہ جوڑا وحی کا رشتہ۔ وہ مقام جہاں پر انسان کی عقل آ کر ناکارہ ہو جاتی ہے' بے کار ہو جاتی ہے' صحیح جواب نہیں دیتی' اس مقام پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی لے کر آتے ہیں اللہ جل جلالہ کی اور وہ بتاتے ہیں کہ یہ ہے وہ بنیاد جس کی روشنی میں تم اپنے مسائل حل کر

سکتے ہو۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں یہ بتاؤ کہ اسلام ہمیں کیا حقوق دیتا ہے پھر ہم اسلام کو مانیں گے۔ میں نے کہا اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اگر اسلام کو اس وجہ سے مانا کہ حقوق پہلے اپنے ذہن میں طے کر لئے کہ یہ حقوق جہاں ملیں گے وہاں جائیں گے اور اس کے بعد پھر اسلام میں اس خاطر آتے ہو کہ یہ حقوق چونکہ اسلام میں مل رہے ہیں اس واسطے میں جا رہا ہوں' تو یاد رکھو اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اسلام کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ اپنی عاجزی درماندگی اور شکستگی پیش کرو کہ ان مسائل کو حل کرنے میں ہماری عقل عاجز ہے اور سوچ عاجز ہے' ہمیں وہ بنیاد چاہیے جس کی بنیاد پر ہم مسائل کو حل کریں۔ جب آدمی اس نقطہ نظر سے اسلام کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر اسلام ہدایت و راہنمائی پیش کرتا ہے۔ ھدی للمتقین۔ یہ ہدایت متقین کیلئے ہے۔ متقین کے کیا معنی؟ متقین کے معنی یہ ہیں کہ جس کے دل میں طلب ہو' یہ ہو کہ ہم اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں' درماندگی کا اعتراف کرتے ہیں' پھر رجوع کرتے ہیں اپنے مالک اور خالق کے سامنے کہ آپ ہمیں بتایئے کہ ہمارے لئے کیا راستہ ہے۔

محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ پیغام لے کر آئے' لہٰذا یہ جو آج کی دنیا کے اندر ایک فیشن بن گیا کہ صاحب! پہلے یہ بتاؤ کہ ہیومن رائیٹس کیا ملیں گے' تب اسلام میں داخل ہوں گے تو یہ طریقہ اسلام میں داخل ہونے کا نہیں ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس امت کو پیغام دیا' دعوت دی تو آپ نے جتنے غیر مسلموں کو دعوت دی' کسی جگہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسلام میں آجاؤ تمہیں فلاں فلاں حقوق مل جائیں گے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم کو اللہ جل جلالہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں: قولوا لا الہ الا اللہ تفلحون یہ مادی منافع مادی مصلحتوں اور مادی خواہشات کی خاطر اگر کوئی اسلام میں آنا چاہتا ہے تو وہ درحقیقت اخلاص کے ساتھ صحیح راستہ تلاش نہیں کر رہا۔ پہلے وہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرے کہ ہماری عقلیں ان مسائل کو حل کرنے سے عاجز ہیں۔

اور یاد رکھیے یہ موضوع بڑا طویل ہے کہ عقل انسانی بے کار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں عقل عطا فرمائی' یہ بڑی کار آمد چیز ہے' مگر یہ اس حد تک کار آمد ہے جب تک

اس کو اس کی حدود میں استعمال کیا جائے اور حدود سے باہر اگر اس کو استعمال کرو گے تو وہ غلط جواب دینا شروع کر دے گی۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک اور ذریعہ علم عطا فرمایا ہے' اس کا نام وحی الٰہی ہے' جہاں عقل جواب دے جاتی ہے اور کار آمد نہیں رہتی وحی الٰہی اسی جگہ پر آکر رہنمائی کرتی ہے۔

دیکھو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں آنکھ دی' کان دیئے' یہ زبان دی۔ آنکھ سے دیکھ کر ہم بہت سی چیزیں معلوم کرتے ہیں' کان سے سن کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں' زبان سے چکھ کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں 'لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا اپنا ایک فنکشن رکھا ہے' ہر ایک کا اپنا عمل ہے اس حد تک وہ کام دیتا ہے' اس سے باہر نہیں دیتا۔ آنکھ دیکھ سکتی ہے' سن نہیں سکتی۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ میں آنکھ سے سنوں تو وہ احمق ہے۔ کان سن سکتا ہے دیکھ نہیں سکتا۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ کان سے میں دیکھنے کا کام لوں تو وہ بے وقوف ہے۔ اس واسطے کہ یہ اس کام کیلئے پیدا نہیں ہوا اور ایک حد ایسی آتی ہے جہاں نہ آنکھ کام دے رہی ہے نہ کان کام دے رہے ہیں نہ زبان کام دے رہی ہے۔ اس موقع کیلئے اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی ہے کہ عقل انسان کی راہنمائی کرتی ہے۔

دیکھئے یہ کرسی ہمارے سامنے رکھی ہے' آنکھ سے دیکھ کر معلوم کیا کہ اس کے ہینڈل زرد رنگ کے ہیں' ہاتھ سے چھو کر معلوم کیا کہ یہ چکنے ہیں۔ لیکن تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیا خود بخود وجود میں آگئی یا کسی نے اس کو بنایا؟ تو وہ بنانے والا میرے آنکھوں کے سامنے نہیں ہے' اس واسطے میری آنکھ بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی' میرا ہاتھ بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا' اس موقع کے لئے اللہ تعالیٰ نے تیسری چیز عطا فرمائی جس کا نام عقل ہے۔ عقل سے میں نے سوچا کہ یہ جو ہینڈل ہے' یہ بڑے قاعدے کا بنا ہوا ہے' یہ خود سے وجود میں نہیں آ سکتا' کسی بنانے والے نے اس کو بنایا ہے۔ یہ یہاں عقل نے میری راہنمائی کی ہے۔ لیکن ایک چوتھا سوال آگے چل کر یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کرسی کو کس کام میں استعمال کرنا چاہیے' کس میں نہیں کرنا چاہیے؟ کہاں اس کو استعمال کرنے سے فائدہ ہو گا کہاں نقصان ہو گا؟ یہ سوال جو ہے اس سوال کا حل کرنے کے لئے عقل بھی ناکام ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک چوتھی چیز عطا فرمائی اور اس کا نام ہے وحی الٰہی۔ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے' وہ خیر

اور شر کا فیصلہ کرتی ہے' وہ نفع اور نقصان کا فیصلہ کرتی ہے۔ جو بتاتی ہے کہ اس چیز میں خیر ہے اس میں شر ہے' اس میں نفع ہے اس میں نقصان ہے۔ وحی آتی ہی اس مقام پر ہے جہاں انسان کی عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے' لہٰذا جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے اور وہ اپنی عقل میں نہ آئے' سمجھ میں نہ آئے تو اس کی وجہ سے اس کو رد کرنا کہ صاحب میری تو عقل میں نہیں آرہا' لہٰذا میں اس کو رد کرتا ہوں تو یہ در حقیقت اس عقل کی اور وحی الٰہی کی حقیقت ہی سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ اسے سمجھ میں اس لئے نہیں آرہا کہ اگر سمجھ میں آتا تو وحی آنے کی ضرورت کیا تھی؟ وحی تو آئی ہی اس لئے کہ تم اپنی تنہا عقل کے ذریعہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے تمہاری مدد فرمائی تو اس واسطے اگر عقل سے خود بخود فیصلہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایک حکم نازل کر دیتے بس کہ ہم نے تمہیں عقل دی ہے' عقل کے مطابق جو چیز اچھی لگے وہ کرو اور جو بری لگے اس سے بچ جاؤ۔ نہ کسی کتاب کی ضرورت نہ کسی رسول کی ضرورت نہ کسی پیغمبر کی ضرورت نہ کسی مذہب اور دین کی ضرورت۔ عقل دی اور اس عقل کے مطابق کام کرو۔ جب اللہ نے اس عقل دینے کے باوجود اس پر اکتفا نہیں فرمایا' رسول بھیجے' کتابیں اتاریں' وحی بھیجی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تنہا عقل انسان کی راہنمائی کیلئے کافی نہیں تھی۔ اس کے بعد وحی الٰہی اس لئے آئی تو آج کل لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہمیں چونکہ اس کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا' لہٰذا ہم نہیں مانتے تو وہ درحقیقت دین کی حقیقت ہی سے ناواقف ہیں' حقیقت سے جاہل ہیں۔ سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا اور یہیں سے ایک اور بات کا جواب مل جاتا ہے جو آج کل بڑی کثرت سے لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے چاند پہ جانے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا' خلا کو فتح کرنے کا کوئی فارمولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا' یہ سب قومیں اس قسم کے فارمولے حاصل کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئیں اور ہم قرآن بغل میں رکھنے کے باوجود پیچھے رہ گئے' تو قرآن اور سنت نے یہ فارمولے کیوں نہیں بتلائے؟

جواب اس کا یہی ہے کہ اس لئے نہیں بتایا کہ وہ چیز تمہارے عقل کے دائرے کی تھی' اپنی عقل سے اور اپنے تجربے اور اپنی محنت سے جتنا آگے بڑھو گے' اس کے اندر تمہیں انکشافات ہوتے چلے جائیں گے' وہ تمہارے عقل کے دائرے کی چیز تھی' عقل اس کا

ادراک کر سکتی تھی۔ اس واسطے اس کے لئے نبی بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی' اس کے لئے رسول بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی' اس کے لئے کتاب نازل کرنے کی ضرورت نہیں تھی' لیکن کتاب اور رسول کی ضرورت تھی وہاں جہاں تمہاری عقل عاجز تھی جیسے کہ اینٹی انٹرنیشنل والے آدمی کی عقل عاجز تھی کہ بنیادی حقوق اور آزادی تحریر و تقریر کے اوپر کیا پابندیاں ہونی چاہئیں' کیا نہیں ہونی چاہئیں۔ اس معاملے میں انسان کی عقل عاجز تھی اس کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ حق ہے انسان کا' جس کا تحفظ ضروری ہے اور فلاں حق ہے جس کے تحفظ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو اس لئے پہلے یہ سمجھ لو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی حقوق کے سلسلے میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن یہ ہے کہ انسانی حقوق کے تعین کی بنیاد فراہم فرمائی کہ کونسا انسانی حق پابندی کے قابل ہے اور کونسا نہیں۔ یہ بات اگر سمجھ میں آ جائے تو اب سنئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حقوق انسان کو عطا فرمائے۔ کن حقوق کو ریکگنائز (Recognize) کیا' کن حقوق کا تعین فرمایا اور پھر اس کے اوپر عمل کر کے دکھایا' ریکگنائز (Recognize) کن حقوق کو کیا۔ اور آج کی دنیا میں ریکگنائز کرنے والے تو بہت اور اس کا اعلان کرنے والے بہت' اس کے نعرے لگانے والے بہت' لیکن ان نعروں پر اور ان حقوق کے اوپر جب عمل کرنے کا سوال آ جائے تو وہی ڈھنڈورچی' جو یہ کہتے ہیں کہ انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں' جب ان کا اپنا معاملہ آ جاتا ہے' اپنے مفاد سے ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے' تو دیکھئے پھر انسانی حقوق کس طرح پامال ہوتے ہیں۔

انسانی حقوق کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کی حکومت ہونی چاہیے۔ جمہوریت' سیکولر ڈیموکریسی۔ آج امریکہ کی ایک کتاب دنیا بھر میں بہت مشہور ہو رہی ہے: "دی اینڈ آف ہسٹری اینڈ دی لاسٹ مین"" آج کل کے سارے پڑھے لکھے لوگوں میں مقبول ہو رہی ہے' اس کی ساری تھیسس یہ ہے کہ انسان کی ہسٹری کا خاتمہ وہ جمہوریت کے اوپر ہو گیا اور اب انسانیت کے عروج اور فلاح کے لئے کوئی نیا نظریہ وجود میں نہیں آئے گا۔ یعنی ختم نبوت پر ہم اور آپ یقین رکھتے ہیں' اب یہ ختم نظریات ہو گیا یہ کہ ڈیموکریسی کے بعد کوئی نظریہ انسانی فلاح کا وجود میں آنے والا نہیں ہے۔

ایک طرف تو یہ نعرہ ہے کہ اکثریت جو بات کہ دے وہ حق ہے' اس کو قبول کرو' ں کی بات مانو' لیکن وہی اکثریت اگر الجزائر میں کامیاب ہو جاتی ہے اور انتخابات میں لثریت حاصل کر لیتی ہے تو اسکے بعد جمہوریت باقی نہیں رہتی۔ پھر اس کا وجود جمہوریت کیلئے خطرہ بن جاتا ہے۔ تو نعرے لگا لینا اور بات ہے لیکن اس کے اوپر عمل کر کے دکھانا شکل ہے۔

یہ نعرے لگا لینا بہت اچھی بات ہے کہ سب انسانوں کو ان کے حقوق ملنے چاہئیں' ان کو آزادی اظہار رائے ہونی چاہیے اور لوگوں کو حق خود ارادی ملنا چاہیے اور یہ سب کچھ' لیکن جن لوگوں کا حق خود ارادی پامال کر کے ان کے سر سے لے کر پاؤں تک ان کو جبر و تشدد کی چکی میں پیسا جا رہا ہے' ان کے بارے میں آواز اٹھاتے ہوئے زبان تھراتی ہے اور وہی جمہوریت اور آزادی کے مناد' منادی کرنے والے وہ ان کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں۔ تو بات صرف یہ نہیں ہے کہ زبان سے کہ دیا جائے کہ انسانی حقوق کیا ہیں؟ بات یہ ہے کہ جو بات زبان سے کہو اس کو کر کے دکھاؤ اور یہ کام کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آپ نے جو حق دیا اس پر عمل کر کے دکھایا۔

غزوہ بدر کا موقع ہے اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ اپنے والد ماجد کے ساتھ سفر کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ جا رہے ہیں' راستے میں ابوجہل کے لشکر سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور ابوجہل کا لشکر کہتا ہے ہم تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے نہیں دیں گے' اس لئے کہ تم جاؤ گے تو ہمارے خلاف ان کے لشکر میں شامل ہو گے' ہمارے خلاف جنگ کرو گے۔ یہ بیچارے پریشان ہوتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے جانا تھا اور انہوں نے روک لیا۔ آخر کار انہوں نے کہا اس شرط پر تمہیں چھوڑیں گے کہ ہم سے وعدہ کرو۔ اس بات کا وعدہ کرو کہ جاؤ گے اور جانے کے بعد ان کے لشکر میں شامل نہیں ہو گے ہم سے جنگ نہیں کرو گے۔ اگر یہ وعدہ کرتے ہو تو ہم تمہیں چھوڑتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ اور ان کے والدؓ نے وعدہ کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف زیارت کریں گے' ان کے لشکر میں شامل ہو کر آپ سے لڑیں گے نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جب کفار کے ساتھ جنگ کا وقت آیا' اور کیسی جنگ؟ ایک ہزار مکہ مکرمہ کے مسلح سورما اور اس کے

مقابلے میں ۳۱۳ نہتے، جن کے پاس ۸ تلواریں، دو گھوڑے، ستر اونٹ۔ ۸ تلواروں کے سوا تین سو تیرہ آدمیوں کے پاس اور تلوار بھی نہیں تھی، کسی نے لاٹھی اٹھائی ہوئی ہے کسی نے پتھر اٹھایا ہوا ہے۔ اس موقع پر ایک ایک آدمی کی قیمت تھی، ایک ایک انسان کی قیمت تھی۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ یہ نئے آدمی آئے ہیں، آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں اور ان سے زبردستی معاہدہ کرایا گیا ہے، یہ وعدہ زبردستی لیا گیا کہ تم جنگ میں شامل نہیں ہو گے تو اس واسطے ان کو اجازت دے دیجئے کہ جہاد میں شامل ہو جائیں اور جہاد بھی کونسا؟ یوم الفرقان، جس کے اندر شامل ہونے والا ہر فرد بدری بن گیا، جس کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے سارے گناہ اگلے پچھلے معاف فرمائے ہیں، اتنا بڑا غزوہ ہو رہا ہے، حذیفہ بن یمانؓ چاہتے ہیں، دل مچل رہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو جائیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ ہے کہ نہیں، جو ابوجہل کے لشکر سے وعدہ کر کے آئے ہو کہ جنگ نہیں کرو گے تو مومن کا کام وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہے، لہٰذا تم اس جنگ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں شامل ہونے سے روک دیا۔ یہ ہے کہ جب وقت پڑے، اس وقت انسان اصول کو نبھائے، یہ نہیں کہ زبان سے تو کہہ دیا کہ ہم انسانی حقوق کے علمبردار ہیں اور ہیروشیما اور ناگاساکی پر بے گناہ بچوں کو بے گناہ عورتوں کو تہ و بالا کر دیا کہ ان کی نسلیں تک معذور پیدا ہو رہی ہیں اور جب جنگ کا اپنا وقت پڑ جائے تو اس میں کوئی اخلاق کوئی کردار دیکھنے والا نہ ہو۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق بتائے بھی اور عمل کر کے بھی دکھایا۔ کیا حقوق؟ اب سنئے:

انسانی حقوق میں سے سب سے پہلا حق انسان کی جان کا حق ہے۔ ہر انسان کی جان کا تحفظ انسان کا بنیادی حق ہے کہ کوئی اس کی جان پر دست درازی نہ کرے: لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق کسی بھی جان کے اوپر دست درازی نہیں کی جا سکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیدیا اور کیا حکم دیدیا کہ جنگ میں جا رہے ہو، کفار سے مقابلہ ہے، دشمن سے مقابلہ ہے اس حالت میں بھی تمہیں کسی بچے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں، کسی عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں، بوڑھے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت

نہیں۔ عین جہاد کے موقع پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ یہ پابندی ایسی نہیں ہے کہ صرف زبانی جمع خرچ ہو، جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ صاحب زبانی طور پر تو کہہ دیا اور تہس نہس کر دیا سارے بچوں کو بھی اور عورتوں کو بھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام نے اس پر عمل کر دکھایا۔ ان کا ہاتھ کسی عورت پر نہیں اٹھا، ان کا ہاتھ کسی بچے پر نہیں اٹھا، ان کا ہاتھ کسی بوڑھے پر نہیں اٹھا، عمل کر کے دکھایا۔ یہ ہے جان کا تحفظ۔

مال کا تحفظ انسان کا دوسرا بنیادی حق ہے: لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ باطل کے ساتھ ناحق طریقے سے کسی کا مال نہ کھاؤ۔ اس پر عمل کر کے کیسے دکھایا؟ یہ نہیں ہے کہ تاویل کر کے توجیہ کر کے مال کھا گئے کہ جب تک اپنے مفادات وابستہ تھے اس وقت تک بڑی دیانت تھی بڑی امانت تھی، لیکن جب معاملہ جنگ کا آ گیا، دشمنی ہو گئی تو اب یہ ہے کہ صاحب تمہارے اکاؤنٹس منجمد کر دیے جائیں گے، تمہارے اکاؤنٹس فریز کر دیے جائیں گے، جب مقابلہ ہو گیا تو اس وقت میں حقوق انسانی غائب ہو گئے۔ اب مال کا تحفظ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مثال پیش کی وہ عرض کرتا ہوں۔ غزوہ خیبر ہے، یہودیوں کیساتھ لڑائی ہو رہی ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ خیبر کے اوپر حملہ آور ہیں اور اس خیبر کے گرد محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرمی پڑی ہوئی ہے خیبر کے قلعہ کے اردگرد، خیبر کے اندر ایک بے چارا چھوٹا سا چرواہا جو اجرت پر بکریاں چرایا کرتا تھا، اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ خیبر سے باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر پڑا ہوا ہے تو جا کر دیکھوں تو سہی، آپ کا نام تو بہت سنا ہے "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا کہتے ہیں اور کیسے آدمی ہیں؟ بکریاں لے کر خیبر کے قلعے سے نکلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہوا۔ کسی سے پوچھا کہ بھائی محمد کہاں ہیں؟ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں خیمے کے اندر ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے یقین نہیں آیا کہ اس خیمے کے اندر، یہ کھجور کا معمولی سا خیمہ جھونپڑی، اس میں اتنا بڑا سردار، اتنا بڑا نبی وہ اس خیمے کے اندر ہے؟ لیکن جب لوگوں نے بار بار کہا تو اس میں چلا گیا۔ اب جب داخل ہوا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، جا کر کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں، آپ کا پیغام کیا ہے؟ آپ

نے مختصراً" بتایا' توحید کے عقیدے کی وضاحت فرمائی۔ کہنے لگا اگر میں آپ کے اس پیغام کو قبول کر لوں تو میرا کیا مقام ہو گا؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے' تم ہمارے بھائی ہو جاؤ گے اور جو حقوق دوسروں کو حاصل ہیں' وہ تمہیں بھی حاصل ہوں گے۔ کہنے لگا آپ مجھ سے ایسی بات کرتے ہیں' مذاق کرتے ہیں ایک کالا بھجنگ چرواہا سیاہ فام' میرے بدن سے بدبو اٹھ رہی ہے' اس حالت کے اندر آپ مجھے سینے سے لگائیں گے' فرمایا کہ ہاں ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے۔ کہا اگر آپ مجھے سینے سے لگائیں گے اور یہاں تو مجھے دھتکارا جاتا ہے' میرے ساتھ اہانت آمیز برتاؤ کیا جاتا ہے تو آپ یہ جو مجھے سینے سے لگائیں گے تو کس وجہ سے لگائیں گے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ کی مخلوق اللہ کی نگاہ میں سب بندے برابر ہیں' اس واسطے ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے۔ کہا کہ اگر میں آپ کی بات مان لوں مسلمان ہو جاؤں' تو میرا انجام کیا ہوگا۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اسی جنگ کے اندر مر گئے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہاری اس چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دیگا اور تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے بدل دیگا۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا' اس اللہ کے بندے کے دل پر اثر ہوا کہ اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ' عرض کیا میں مسلمان ہو گیا' اب جو حکم آپ دیں وہ کرنے کو تیار ہوں۔ سنئے! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا حکم اس کو کیا دیا؟ یہ نہیں دیا کہ نماز پڑھو' یہ نہیں دیا کہ روزہ رکھو' پہلا حکم یہ دیا کہ جو کسی کی بکریاں تم چرانے کیلئے لے کر آئے ہو یہ تمہارے پاس امانت ہیں' پہلے ان بکریوں کو واپس دے کر آؤ اور اس کے بعد آکر پوچھنا کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ بکریاں کس کی؟ یہودیوں کی' جن کے اوپر حملہ آور ہیں' جن کے ساتھ جنگ چھڑی ہوئی ہے' جن کا مال غنیمت چھینا جا رہا ہے' لیکن فرمایا کہ یہ مال غنیمت جنگ کی حالت میں چھیننا تو جائز تھا لیکن تم لے کر آئے ہو ایک معاہدہ کے تحت۔ اور اس معاہدے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے مال کا تحفظ معاہدے کا تحفظ کیا جائے' یہ ان کا حق ہے' لہٰذا ان کو پہنچا کر آؤ۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ بکریاں تو ان دشمنوں کی ہیں جو آپ کے خون کے پیاسے ہوئے ہیں اور پھر آپ واپس لوٹاتے ہیں' فرمایا کہ ہاں! پہلے ان کو واپس لوٹاؤ۔ چنانچہ بکریاں واپس لوٹائی گئیں۔ کوئی

مثال پیش کرے گا کہ عین میدان جنگ میں عین حالت جنگ کے اندر انسانی مال کے تحفظ کا حق ادا کیا جارہا ہو؟ جب بکریاں واپس کر دیں' تو عرض کیا اب کیا کروں؟ فرمایا کہ نہ تو نماز کا وقت ہے کہ تمہیں نماز پڑھواؤں' نہ رمضان کا مہینہ ہے کہ روزے رکھواؤں' نہ تمہارے پاس مال ہے کہ زکوۃ دلواؤں۔ ایک ہی عبادت اس وقت ہو رہی ہے جو کہ تلوار کے چھاؤں کے نیچے ادا کی جاتی ہے وہ ہے جہاد' اس میں شامل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اس میں شامل ہو گیا' اس کا اسود راعی نام آتا ہے۔ جب جہاد ختم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد دیکھنے جایا کرتے تھے کہ کون زخمی ہوا' کون شہید ہوا' تو دیکھا کہ ایک جگہ صحابہؓ کرام کا مجمع لگا ہوا ہے۔ آپس میں صحابہ پوچھ رہے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو صحابہ کرام نے بتلایا کہ یہ ایسے شخص کی لاش ملی ہے کہ جس کو ہم میں سے کوئی پہچانتا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب پہنچ کر دیکھا اور فرمایا تم نہیں پہنچاتے' میں پہچانتا ہوں اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جنت الفردوس کے اندر کوثر و تسنیم سے غسل دیا ہے اور اس کے چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دیا ہے' اس کے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرما دیا ہے۔ یہ بات کہ مال کا تحفظ ہو' محض کہہ دینے کی بات نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا۔ کافر کے مال کا تحفظ دشمن کے مال کا تحفظ' جو معاہدے کے تحت ہو۔ یہ مال کا تحفظ ہے۔

تیسرا انسان کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کی آبرو محفوظ ہو۔ آبرو کی تحفظ کا نعرہ لگانے والے بہت ہیں' لیکن یہ پہلی بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ انسان کی آبرو کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ پیٹھ پیچھے اس کی برائی نہ کی جائے' غیبت نہ کی جائے۔ آج بنیادی حقوق کا نعرہ لگانے والے بہت' لیکن کوئی اس بات کا اہتمام کرے کہ کسی کا پیٹھ کے پیچھے ذکر برائی سے نہ کیا جائے' غیبت کرنا بھی حرام' غیبت سننا بھی حرام اور فرمایا کہ کسی انسان کے دل کو نہ توڑا جائے۔ یہ انسان کیلئے گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ افقہ الصحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے ہیں' طواف کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ تو کتنا مقدس ہے' کتنا مکرم کتنا معظم ہے' یہ الفاظ فرمائے پھر عبداللہ بن مسعودؓ سے

خطاب کر کے فرمایا کہ اے عبداللہ! یہ کعبۃ اللہ بڑا مقدس بڑا مکرم بڑا معظم ہے، لیکن اس کائنات میں ایک چیز ایسی ہے کہ اس کا تقدس اس کعبۃ اللہ سے بھی زیادہ ہے اور وہ چیز کیا؟ ایک مسلمان کی جان مال اور آبرو کہ اس کا تقدس کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی جان پر مال پر آبرو پر ناحق حملہ آور ہوتا ہے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ کعبہ کے ڈھا دینے سے بھی زیادہ بڑا جرم ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق دیا۔

جو انسان کے بنیادی حقوق ہیں وہ ہیں جان مال اور آبرو' ان کا تحفظ ضروری ہے۔ پھر انسان کو دنیا میں جینے کیلئے معاش کی ضرورت ہے' روزگار کی ضرورت ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا کسب معاش کا تحفظ۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کا جو حق بتایا' کہا کسی انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کیلئے معاش کے دروازے بند کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بیان فرمایا۔ ایک طرف تو یہ فرمایا' جس کو کہتے ہیں فریڈم آف کنٹریکٹ۔ معاہدے کی آزادی جو چاہے معاہدہ کرو' لیکن فرمایا کہ ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں معاشرے کے اوپر خرابی واقع ہوتی ہو' ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں دوسرے آدمی پر رزق کا دروازہ بند ہوتا ہو وہ حرام ہے' فرمایا لا یبیع حاضر لباد کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ ایک آدمی دیہات سے مال لے کر آیا مثلاً" زرعی پیداوار' ترکاریاں لے کر آیا شہر میں فروخت کرنے کیلئے تو فرمایا کہ شہری اس کا آڑھتی نہ بنے' اس کا وکیل نہ بنے۔ بھائی کیا حرج ہے اگر دو آدمیوں کے درمیان آپس میں معاہدہ ہوتا ہے کہ میں تمہارا مال فروخت کروں گا' تمہارے سے اجرت لوں گا تو اس میں کیا حرج ہے؟ لیکن نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جو شہری ہے' وہ جب مال لے کر بیٹھ جائے گا تو احتکار کرے گا اور بازار کے اوپر اپنی مونا پلی قائم کرے گا' اجارہ داری قائم کرے گا۔ اس اجارہ داری قائم کرنے کے نتیجے میں دوسرے لوگوں پر معیشت کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اس واسطے فرمایا: لا یبیع حاضر لباد۔ تو کسب معاش کا حق ہر انسان کا ہے کہ کوئی بھی شخص وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسرے کیلئے معیشت کے دروازے بند نہ کرے۔ یہ نہیں کہ سود کھا کھا کر' قمار کھیل کر' گیمبلنگ کر کر کے' سٹہ کھیل کھیل کر آدمی نے

اپنے لئے دولت کے انبار جمع کر لئے اور دولت کے انباروں کے ذریعے سے وہ پورے بازار کے اوپر قابض ہو گیا' کوئی دوسرا آدمی اگر کسب معاش کیلئے داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے دروازے بند ہیں۔ یہ نہیں' بلکہ کسب معاش کا تحفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کا بنیادی حق قرار دیا اور فرمایا: دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم ببعض لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرمائیں گے۔ یہ کسب معاش کا تحفظ ہے۔ جتنے میں حقوق عرض کر رہا ہوں' یہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے اور متعین فرمانے کے ساتھ ساتھ ان پر عمل بھی کر کے دکھایا۔

عقیدے اور دیانت کے اختیار کرنے کا تحفظ' کہ اگر کوئی شخص کوئی عقیدہ اختیار کئے ہوئے ہے تو اس کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے کہ کوئی زبردستی جا کر مجبور کر کے اسے دوسرا دین اختیار کرنے پر مجبور کرے: لا اکراہ فی الدین دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ دین کے اندر کوئی جبر نہیں۔ اگر ایک عیسائی ہے تو عیسائی رہے 'ایک یہودی ہے تو یہودی رہے' قانوناً" اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ اس کو تبلیغ کی جائے گی دعوت دی جائے گی' اس کو حقیقت حال سمجھانے کی کوشش کی جائے گی' لیکن اس کے اوپر یہ پابندی نہیں ہے کہ زبردستی اس کو اسلام میں داخل کیا جائے۔ ہاں البتہ اگر ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اسلام میں داخل ہو کر اسلام کے محاسن اس کے سامنے آگئے' تو اب اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے وہ اس دین کو برملا چھوڑ کر ارتداد کا راستہ اختیار کرے۔ اس واسطے کہ اگر وہ ارتداد کا راستہ اختیار کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرے میں فساد پھیلائے گا اور فساد کا علاج آپریشن ہوتا ہے' لہٰذا اس فساد کا آپریشن کر دیا جائے گا اور معاشرے میں اس کو فساد پھیلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ کسی کی عقل میں بات آئے یا نہ آئے' کسی سمجھ میں آئے یا نہ آئے' میں پہلے کہہ چکا ہوں ان معاملات کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیاد فراہم فرمائی ہے۔ حق وہ ہے جسے اللہ مانے' حق وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانیں' اس سے باہر حق نہیں ہے۔ اس لئے ہر شخص عقیدے کو اختیار کرنے میں شروع میں آزاد ہے' ورنہ اگر یہ حکم نہ ہوتا' مرتد ہونے کی سزا کا حکم نہ ہوتا' مرتد ہونا جرم نہ ہوتا تو اسلام کے دشمن اسلام کو بازیچہ اطفال بنا کر دکھلاتے۔ کتنے لوگ تماشا دکھانے کیلئے اسلام میں داخل ہوتے اور نکلتے؟

قرآن کریم میں ہے لوگ یہ کہتے ہیں صبح کو اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ تو یہ تماشا بنا دیا گیا ہوتا۔ اس واسطے دارالاسلام میں رہتے ہوئے ارتداد کی گنجائش نہیں دی جائے گی' اگر واقعتاً" دیانت داری سے تمہارا کوئی عقیدہ ہے تو پھر دارالاسلام سے باہر جاؤ' باہر جا کر جو چاہو کرو' لیکن دارالاسلام میں رہتے ہوئے فساد پھیلانے کی اجازت نہیں۔

تو غرض موضوع تو بڑا طویل ہے لیکن پانچ مثالیں میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہیں: (۱) جان کا تحفظ (۲) مال کا تحفظ (۳) آبرو کا تحفظ (۴) عقیدے کا تحفظ (۵) کسب معاش کا تحفظ۔ یہ انسان کی پانچ بنیادی ضروریات ہیں۔ یہ پانچ مثالیں میں نے پیش کیں' لیکن ان پانچ مثالوں میں جو بنیادی بات غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ کہنے والے تو اس کے بہت ہیں' لیکن اس کے اوپر عمل کر کے دکھانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلام ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کا واقعہ ہے کہ بیت المقدس میں غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ ان کے جان و مال آبرو کا تحفظ کیا جائے' تو ایک موقعہ پر ضرورت پیش آئی بیت المقدس سے فوج بلا کر کسی اور محاذ پر بھیجنے کی۔ زبردست ضرورت داعی تھی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ بھائی بیت المقدس میں جو کافر رہتے ہیں' ہم نے ان کے تحفظ کی ذمہ داری لی ہے۔ اگر فوج کو یہاں سے ہٹالیں گے تو ان کا تحفظ کون کریگا؟ ہم نے ان سے اس کام کیلئے جزیہ لیا ہے' لیکن ضرورت بھی شدید ہے تو سارے غیر مسلموں کو بلا کر کہا کہ بھائی ہم نے تمہاری ذمہ داری لی تھی' اس کی خاطر تم سے یہ ٹیکس بھی وصول کیا تھا' اب ہمیں ضرورت شدید پیش آگئی ہے' جس کی وجہ سے ہم تمہارا تحفظ کما حقہ نہیں کر سکتے اور فوج کو یہاں نہیں رکھ سکتے' لہذا فوج کو ہم دوسری جگہ ضرورت کی خاطر بھیج رہے ہیں تو جو ٹیکس تم سے لیا گیا تھا وہ سارا تم کو واپس کیا جاتا ہے۔ یوں ذمہ داری ادا کی جارہی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ صحابی ہیں جن پر کہنے والے ظالموں نے کیسے کیسے بہتانوں کی بارش کی ہے' ان کا واقعہ ابوداؤد میں موجود ہے کہ روم کے ساتھ لڑائی کے دوران معاہدہ ہو گیا' جنگ بندی ہو گئی' ایک خاص تاریخ تک یہ طے ہو گیا کہ سیز فائر رہے گا جنگ بندی رہے گی' کوئی آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا۔ حضرت معاویہؓ بڑے دانش مند بزرگ تھے' انہوں نے یہ سوچا کہ جس تاریخ کو معاہدہ ختم ہو رہا ہے' اس

تاریخ کو فوجیں لے جا کر سرحد کے پاس ڈال دیں کہ ادھر آفتاب غروب ہو گا اور تاریخ بدلے گی' ادھر حملہ کر دیں گے' کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ دشمن کو یہ خیال ہو گا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہو گی' کہیں دور سے چلیں گے' چلنے کے بعد یہاں پہنچیں گے تو وقت لگے گا تو اس واسطے انہوں نے سوچا کہ پہلے فوج لے جا کے ڈال دیں۔ چنانچہ وہاں فوج لے جا کر ڈال دی اور ادھر اس تاریخ کا آفتاب غروب ہوا جو جنگ بندی کی تاریخ تھی اور ادھر انہوں نے حملہ کر دیا' روم کے اوپر یلغار کر دی اور وہ بے خبر اور غافل تھے' اس واسطے بہت تیزی کے ساتھ فتح کرتے چلے گئے' زمین کی زمین خطے کے خطے فتح ہو رہے ہیں۔ جاتے جاتے جب آگے بڑھ رہے ہیں تو پیچھے سے دیکھا گھوڑے پر ایک شخص سوار دور سے سرپٹ دوڑا چلا آ رہا ہے اور آواز لگا رہا ہے: قفوا عباد اللہ! قفوا عباد اللہ! اللہ کے بندو رکو! اللہ کے بندو رکو! حضرت معاویہؓ رک گئے' دیکھا کون ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عمرو بن عبسہؓ قریب تشریف لائے تو فرمایا وفاء لا غدر مومن کا شیوہ وفا داری ہے غداری نہیں۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا میں نے تو کوئی غداری نہیں کی۔ جنگ بندی کی مدت ختم ہونے کے بعد حملہ کیا تو حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ان کانوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: من کان بینہ و بین قوم عھد فلا یحلنہ ولا یشدنہ حتی یمضی امدہ او ینبذہ علی سواء کہ جب کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو اس معاہدے کے اندر کوئی ذرا سا بھی تغیر نہ کرے' نہ کھولے نہ باندھے' یہاں تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے اور یا ان کے سامنے کھل کر بیان نہ کر دے کہ آج سے ہم تمہارے معاہدے کے پابند نہیں ہیں۔ اور آپ نے معاہدہ کے دوران سر پر فوجیں لا کر ڈال دیں اور شاید اندر بھی تھوڑا بہت گھس گئے ہوں تو اس واسطے آپ نے یہ معاہدے کی خلاف ورزی کی اور یہ جو آپ نے علاقہ فتح کیا ہے یہ اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے۔ اب اندازہ لگائیے حضرت معاویہؓ فتح کے نشے میں جا رہے ہیں' علاقے کے علاقے فتح ہو رہے ہیں' لیکن جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا ساری فوج کیلئے حکم جاری کر دیا کہ ساری فوج واپس لوٹ جائے اور یہ مفتوحہ علاقہ خالی کر دیا جائے۔ چنانچہ پورا مفتوحہ علاقہ خالی کر دیا۔ دنیا کی تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی کہ کسی فاتح نے اپنے مفتوحہ علاقے کو اس وجہ سے خالی کیا ہو کہ اس میں معاہدے کی پابندی

کے اندر ذرا سی اوچھ رہ گئی تھی، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، انہوں نے یہ کر کے دکھایا۔

بات تو جتنی بھی طویل کی جائے ختم نہیں ہو سکتی، لیکن خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کی بنیادیں فراہم کی ہیں کہ کون انسانی حقوق کا تعین کرے گا کون نہیں کرے گا۔ دوسری بات یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حقوق بیان فرمائے ان پر عمل کر کے دکھایا۔ حقوق ہی وہ متعین کیے گئے جن پر عمل کیا جائے، کہنے کیلئے نہیں۔

آج کہنے کیلئے ہیومن رائٹس کے بڑے شاندار چارٹر چھاپ کر دنیا بھر میں تقسیم کر دیے گئے کہ جی یہ ہیومن رائٹس چارٹر ہیں، لیکن یہ ہیومن رائٹس چارٹر کے بنانے والے اپنے مفادات کی خاطر مسافر بردار طیارہ، جس میں بے گناہ افراد سفر کر رہے ہیں، اس کو گرا دیں، اس میں ان کو کوئی باک نہیں ہوتا اور مظلوموں کے اوپر مزید ظلم و ستم کے شکنجے کے جائیں، اس میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ ہیومن رائٹس اسی جگہ پر مجروح ہوتے نظر آتے ہیں جہاں اپنے مفادات کے اوپر کوئی زد پڑتی ہو اور جہاں اپنے مفادات کے خلاف ہو تو وہاں ہیومن رائٹس کا کوئی تصور نہیں آتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیومن رائٹس کے قائل نہیں ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس حقیقت کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ جو باطل پروپیگنڈہ ہے اس کی حقیقت پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ یاد رکھیے کہ بعض لوگ اس پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر مغلوب ہو کر یہ معذرت خواہانہ انداز ہاتھ جوڑ کر یہ کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہمارے ہاں تو یہ بات نہیں ہے، ہمارے ہاں تو اسلام نے فلاں حق دیا ہے اور اس کام کیلئے قرآن کو سنت کو توڑ مروڑ کر کسی نہ کسی طرح ان کی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، تو یاد رکھیے ولن ترضی عنک الیہود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم۔ قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ جب تک اس پر نہیں آجاؤ گے، اس اعتقاد کے اوپر نہیں آجاؤ گے کہ کتنا ہی کوئی اعتراض کرے، لیکن ہدایت تو وہی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرمائی، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، کبھی ان نعروں سے مرعوب نہ ہوں، کبھی ان نعروں سے مغلوب نہ ہوں، اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے۔